دورِ جاہلیت کی نذریں اور قرابین: ایک تحقیقی جائزہ

RITUAL SACRIFICES AND OFFERINGS IN THE NAME OF GOD IN THE PRE-ISLAMIC ERA - A CRITICAL ANALYSIS

استراج خان*

DOI: 10.29370/siarj/issue2ar4
Link: https://doi.org/10.29370/siarj/issue2ar4

ABSTRACT:
As presenting gifts and offerings increase love and affiliation between humans, man has also considered it a means of acquiring the pleasure of God and acquiring closeness to Him. Psychologically, those who present gifts seek some sort of benefit from the one who they make the offerings to. Now consider the case of the Creator who has power over everything and He can do whatever He wants. Accordingly, humans seek different ways to acquire His pleasure, show their respect and love. Humans throughout the history have made sacrifices and offerings for God, some in legitimate ways and some illegitimate. Though Allah SWT is free of any need for our presents, gifts, sacrifices and offerings, this is a means that He has provided us to become his beloved. In Islam, the beauty of this system is such that it becomes a means to help the fellow human beings (e.g. in the form of zakat, Sadaqat and Hadaya etc.). In the pre-Islamic times as well, people used to make different forms of offerings which they believed would take them closer to their false gods which were mostly illegitimate and void of any significant benefits to humankind. In this critical inquiry, we have explored those offerings and their underlying motives in detail.

KEYWORDS: Offerings,. Hadaya، Ritual Sacrifices, Sadaqat, pre-Islamic era

کلیدی الفاظ: قربانی،،ھدایا، جاہلیت کی نذریں، صدقات، زمانہ جاہلیت

تعارف: جس طرح ہدیہ، تحفہ، صدقہ اور اکرام انسانوں کے مابین محبت، تقرب اور اتصال کا ایک اہم ذریعہ ہے اسی طرح انسان اور رب کے درمیان بھی صدقہ ربط اور اس کی رضا کے حصول اور غضب کو مٹانے کا اہم ذریعہ ہے، اگرچہ

* ایم فل سکالر، شعبہ اسلامیات، جامعہ عبدالولی خان، مردان برقی پتا: istirajkhan104@gmail.com

وہ ان سب سے غنی ہے لیکن چونکہ صدقات امراء کی طرف سے محتاج بندوں کو دیے جاتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتے ہیں۔

انسانوں کے مابین تحفہ اور ہدیہ محبت اور رشتہ کی علامت سمجھی جاتی ہے لیکن اکثر اوقات دینے والا دوسرے شخص سے کسی خاص مقصد اور صلہ کا طلبگار ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب معبود سب سے زیادہ قادر، سب سے زیادہ غنی اور سب سے برتر بادشاہ ہے، تو اس کے تقرب، تعظیم اور محبت کے اظہار کے لیے انسان کو مختلف طریقے اختیار کرنا لازمی ہے جن میں زکوۃ اور صدقات کی ایک لمبی فہرست بھی داخل ہے تاکہ رب عظیم اس پر بھی خیر و برکت کے ساتھ رجوع کرے۔

یہ عقیدہ اور نظریہ یوم اول سے لے کر اب تک ہر مذہب کا حصہ رہا ہے، چاہے مذہب کے احکامات حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہوں یا لوگوں کے مصنوعی اور من گھڑت۔ اسی صورت حال کے پیشِ نظر اہلِ جاہلیت بھی اپنے خداؤں کے لیے مختلف قسم کے نذرانے اور قربانیاں پیش کرتے تھے بلکہ ان کے ہاں نذریں اور قربانیاں دینی زندگی میں خاصی اہمیت کی حامل تھیں، حتی کہ ان کا مقام ان کے لیے دین کے اولین درجہ پر تھا۔ عوام کے نزدیک تو دین کا معنی یہی تھا کہ خداؤں کو نذرانے پیش کیے جائیں تاکہ وہ ان کے مطالبات پورا کریں اور اپنی نعمتیں ان پر برسادیں۔ اسی طرح اپنے خداؤں کی قربت کے حصول کا اہم ترین ذریعہ بھی نذر، قرابین، صدقات، تحائف اور مویشی کی قربانی سمجھی جاتی تھی۔

اہلِ جاہلیت اپنے فرضی خداؤں کے لیے کس قسم کے تحفے و تحائف اور نذرانے پیش کرتے تھے؟ اس مقالہ میں ان پر مختصر پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

نذر کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

نذر کے لغوی معنی کسی چیز کو اپنے اوپر واجب اور لازم کر لینے کے ہیں۔ اس کی جمع نذور اور نذر (ن اور ذ کے پیش کے ساتھ) آتی ہے [1]۔ علامہ زبیدیؒ نے نذر کا ایک معنی یہ بیان کیا ہے کہ اہلِ جاہلیت کے ہاں نذر سے مراد شرطیہ وعدہ ہوتا تھا مثلاً اگر اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفادی تو مجھ پر فلاں نذر واجب ہے اور اگر (بلا کسی شرط کے) کہے کہ مجھ پر ایک دینار صدقہ کرنا واجب ہے تو یہ نذر نہیں ہے [2]۔ گویا کہ نذر میں دونوں طرف سے کچھ شرائط کے پورا ہونے پر وعدہ کا معاملہ تھا: ایک طرف صاحبِ نذر مانگنے والا ہوتا تھا اور دوسری طرف آلہہ ہوتے تھے۔ شرط ناذر کے مطالبات کی تکمیل تھی جب کہ اس کی جزاء نذر کا پورا کرنا تھا۔

اہلِ جاہلیت نذر کو "نَحْب" سے بھی تعبیر کرتے تھے [3]، عرب کہتے ہیں: قضى فلان نَحْبَهُ. أي : وَفَى بنذره [4]"۔

قرآن کریم کی ذیل والی آیت کا ایک معنی مفسرین نے یہی بیان کیا ہے: مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلا[5] "مؤمنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں جو اقرار انہوں نے اللہ سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا پھر ان میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے اپنی نذر پوری کر دی یعنی جان دیدی اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے اپنے قول کو ذرا بھی نہیں بدلا[6]"

علامہ جرجانیؒ نے نذر کی اصطلاحی تعریف یہ کی ہے: إيجابُ عينِ الفعل المباح على نفسه تعظيمًا لله تعالي[7] یعنی کسی مباح کام کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اجلال کی نیت سے اپنے اوپر واجب کر لینا نذر ہے۔

نذروں کا پس منظر: عام طور پر نذریں شدت اور تنگی کی حالت میں رکھی جاتی ہیں۔ جب کسی انسان کو یا اس کے اپنے کو کوئی برائی پہنچ جائے تو اپنے خداؤں کے لیے نذر رکھتا ہے جسے وہ شرط پوری ہونے پر پایہ تکمیل تک پہنچاتا ہے، اس لیے کہ مطالبہ پورا ہونے کی وجہ سے نذر رکھنے والے پر اپنی نذر کی تکمیل واجب ہوتی ہے۔ اگر دورِ جاہلیت کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہی تصویر ابھرتی نظر آتی ہے۔

نذروں کی اقسام:

اہلِ جاہلیت کے حالات کو دیکھتے ہوئے ان کی نذریں مختلف اقسام میں تقسیم کی جاسکتی ہیں جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

واجب اور مندوب نذریں:

نذر کے لزوم وعدم لزوم کے لحاظ سے اہلِ جاہلیت کی نذروں کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: ایک قربانی وہ تھی جو مثلاً نذر رکھنے کی وجہ سے واجب اور لازم سمجھی جاتی تھی جب کہ دوسری قسم کی قربانی نفل ہوتی تھی جس میں انسان کو اختیار ہوتا تھا جیسا کہ وہ جانور اور ذبائح جو مختلف ادوار اور موقعوں پر بتوں کے لیے پیش کیے جاتے تھے جسے ندب، ندبت، ندبۃ کہا جاتا تھا۔ پہلی قسم میں وہ نذر بھی شامل تھی جسے "خطت"، "خطات" اور "خطاہ یعنی غلطی" کے نام سے جانا جاتا تھا[8]۔ اس سے مراد وہ فدیہ ہوتا تھا جو انسان کسی نافرمانی کی وجہ سے ادا کرتا تھا مثلاً جب معبد میں کوئی آدمی نجاست کی حالت میں داخل ہوتا تو اس کی پاداش میں ذبیحہ پیش کرتا۔

مادی نذریں اور معنوی نذریں:

نذر مانی ہوئی اشیاء کے اعتبار سے نذروں کو مزید دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

مادی نذریں: مادی نذریں مختلف شکلوں میں ہوتی تھیں: ذبیحہ، نقد پیسے، میوے، غلہ، زمین اور کبھی کبھی کوئی مجسمہ

بھی ہوتا تھا۔ان چیزوں کے مقابلے میں کبھی معنوی چیز بھی نذر ہوتی تھی جیسا کہ خدا کی خدمت کے لیے اپنے نفس، بیٹے، غلام اور ماں یا کسی حیوان کے پیٹ میں موجود حمل کو وقف کرنا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ زندہ حیوان کو خدا کے لیے وقف کرتے تھے[9]۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت اپنا بہتر مال اپنے فرضی خداؤں کے لیے وقف کرتے تھے:

كَانُوا يَجْعَلُونَ خَيْرَ أَمْوَالِهِمْ لِآلِهَتِهِمْ فِي الْجَاهِلِيَّة [10]"

مال کی مثال میں اس زکوۃ کا ذکر کیا جا سکتا ہے جس کا ایک معین حصہ معابد کو بھی دیا جاتا تھا جیسا کہ مالکِ زمین اور حکومت کو دیا جاتا ہے۔اس حصہ کو معابد کے خزانوں میں محفوظ رکھا جاتا تھا تاکہ باہر خرچ کیا جائے یا بازاروں میں بیچ دیا جائے یا معابد، دیندار اور محتاج لوگوں پر صرف کیا جائے جیسا کہ قتبانیین [11] اپنی پیداوار کا دسواں حصہ معبد کو دیتے تھے جسے "عصم" کے نام سے جانا جاتا تھا[12]۔

اسی طرح مؤرخین لکھتے ہیں کہ ہبل نامی بت خانہ کعبہ کی چھت اور وسط میں نصب کیا گیا تھا اور اس کے نیچے ایک کنواں تھا جس میں وہ تمام اموال جمع کیے جاتے تھے جو خانہ کعبہ کے لیے بطورِ ہدیہ پیش کیے جاتے تھے [13]۔

یہ کنواں خانہ کعبہ میں داخل ہونے والے کے دائیں طرف آتا تھا اور اس کی گہرائی تین گز تھی۔اس کنویں کو سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام نے اس لیے کھودا تھا تاکہ خانہ کعبہ کے لیے جو ہدیات پیش کیے جاتے ہیں وہ اس میں جمع کیے جائیں [14]۔

جنگ کا سامان مثلاً تلوار وغیرہ اپنے خداؤں کے لیے وقف کرنا بھی دورِ جاہلیت میں ثابت ہے، چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب مناۃ بت کو توڑ ڈالا تو جو کچھ اس کے پاس تھا اسے اٹھا لائے۔ غسان کے بادشاہ ابو شمر غسانی نے مناۃ کے لیے دو تلوار ہبہ کر دی تھیں۔ایک کو مخذم اور دوسری کو رسوب کہا جاتا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے وہ دونوں تلواریں سیدنا محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیں۔ نبی کریم ﷺ نے دونوں تلواریں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ذوالفقار نامی تلوار بھی اسی بت کے پاس سے ملی تھی [15]۔

بتوں کے بارے میں اہلِ جاہلیت کے دل کافی وسعت اور فراخی سے لبریز تھے اور اس بارے میں وہ ہرگز بخل سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ انہیں کھانے پینے کی چیزیں تک ہبہ کرتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس سے بت خوش ہوتے ہیں، چنانچہ امام ازرقیؒ فرماتے ہیں:

نصب عمرو بن لحي الخلصة بأسفل مكة, فكانوا يلبسونها القلائد ويهدون إليها الشعير والحنطة، ويصبون عليها اللبن، ويذبحون لها، ويعلقون عليها بيض النعام[16]"

"خلصہ (ذوالخلصہ بت) کو عمرو بن لحی نے مکہ کے نچلے حصہ میں وضع کیا تھا۔ اہلِ جاہلیت اسے ہار پہناتے تھے، اسے گندم اور جو ہدیہ کرتے تھے، اس پر دودھ انڈیلتے تھے، اس کے لیے ذبح کرتے تھے اور اس پر شتر مرغ کے انڈے آویزاں کرتے تھے۔"

امام ضحاکؒ فرماتے ہیں اہلِ جاہلیت اپنے خداؤں کے لیے فصلوں کا معین حصہ الگ کر دیتے اور کہتے کہ جو ہم نے اپنے خداؤں کے نام کیا ہے وہ ہمارے لیے جائز نہیں ہے[17]، جیسا کہ عمیانس بت کے بارے میں منقول ہے کہ یہ خولان[18] کی زمین میں نصب تھا۔ خولان اپنے مویشیوں اور کھیتوں میں سے اللہ تعالیٰ اور عمیانس کے لیے مخصوص حصے تقسیم کر کے دیا کرتے تھے۔ یہ کام خولان کا ایک قبیلہ ادیم، ادوم یا اسوم کرتا تھا[19]۔

قبیلہ ثقیف کے بارے میں آتا ہے کہ وہ لات کی بڑی عزت کرتے تھے حتیٰ کہ اسے خانہ کعبہ سے تشبیہ دیتے تھے اور انہوں نے اس کے لیے مخصوص قسم کے کپڑے اور پردے تیار کر رکھے تھے[20]۔

دنیا میں کسی انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ اولاد ہوتی ہے، اہلِ جاہلیت کے لیے اپنے فرضی خدا اتنے محبوب تھے کہ اپنی اولاد کو بھی بتوں، باطل خداؤں اور معابد کی خدمت کے لیے وقف کرتے تھے اور ایسا لڑکا یا لڑکی جسے باپ یا ماں کسی معبد، بت یا کنیسہ کے لیے وقف کرتا تھا اسے "نذیرہ" کے نام سے جانا جاتا تھا[21]۔ ایسا لڑکا اور لڑکی خدا، بت یا معبد کی خدمت کے لیے فارغ کیا جاتا اور اس کے علاوہ کچھ نہیں کرتا تھا۔ اس کی مثال اہلِ جاہلیت کے علاوہ مریم علیہا السلام کی ماں حنہ کی زندگی سے بھی ملتی ہے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: إِذْ قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا[22]" (وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے پروردگار جو بچہ میرے پیٹ میں ہے میں اس کو تیری نذر کرتی ہوں اس کو دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی[23]۔)

سیدنا عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ حنہ مریم علیہا السلام کی پیدائش کے وقت انہیں لے کر باہر آئی اور کہا: دونكم هذه النذيرة فإني حررتها وهي ابنتي ولا يدخل الكنيسة حائض وأنا لا أردها إلى بيتي "یعنی اس نذیرہ کی پرورش کر لو کیونکہ میں نے اسے (بیت المقدس کی خدمت کے لیے) آزاد کیا ہے۔ یہ میری بیٹی ہے اور (میں جانتی ہوں کہ) حائض لڑکی کنیسہ میں داخل نہیں ہو سکتی لیکن میں اسے واپس گھر لے کر نہیں جاؤں گی[24]۔

نذرانوں میں ایک اہم نذر "ربیط" تھی۔ اہلِ جاہلیت یہ نذر رکھتے تھے کہ اگر ان کا بچہ زندہ رہا تو وہ مخصوص بت کا خادم ہو گا۔ علامہ زبیدیؒ فرماتے ہیں کہ غوث بن مر بن طابخہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان" کو "ربیط" کا لقب دیا گیا تھا۔ اس کا پس منظر یہی تھا کہ اس کی ماں کا کوئی بچہ زندہ نہیں بچتا تھا جس کی وجہ سے اس نے نذر مانی کہ اگر غوث زندہ رہا تو وہ اس کے سر پر روئی باندھے گی اور اسے کعبہ کے لیے ربیط بنائے گی۔ جب یہ زندہ رہا تو اس نے اپنی نذر

پوری کی اور اسے بلوغت تک کعبہ کا خادم رکھا۔ اسی وجہ سے اسے ربیط کہا جانے لگا: الغوث بن مر بن طابِخَةَ بن الْياس بنِ مُضَرَ بنِ نِزارِ بنِ مَعَدِّ بنِ عَدْنانَ . قالَ ابنُ الكَلْبِيِّ : لأَنَّ أُمَّهُ كانتْ لا يَعيشُ لها وَلَدٌ ، فَنَذَرَتْ لئِنْ عاش هذا لَتَرْبُطَنَّ برأْسِهِ صُوفَةً ، ولَتَجْعَلَنَّهُ رَبيطَ الكَعْبَةِ ، فعاشَ ففَعَلَتْ ، وجعَلَتْه خادِماً للبَيْتِ حتَّى بَلَغَ الحُلُمَ فنزَعَتْهُ ، فلُقِّبَ الرَّبيطَ [25]"

جس طرح کہ ہندو دھرم میں خداؤں کے لیے قربانی پیش کرنے میں انسانی قربانی سب سے طاقتور اور اتنی اہم قربانی سمجھی جاتی ہے کہ پرانے زمانے میں ہر پل کے کھڑے کرتے وقت اس کی بنیاد میں انسانی قربانی پیش کی جاتی تھی، ہندو دھرم میں یہ قربانی "پوروسامیدھا" کے نام سے جانی جاتی ہے [26]، اسی طرح عرب میں اگرچہ انسانی قربانی ہوئی نہیں لیکن انسان کو بَلی چڑھانے کی نذر ماننے کی مثال ملتی ہے، چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ عبد المطلب نے نذر مانی تھی کہ اگر میرے دس بچے پیدا ہوئے اور بالغ ہو کر میری حفاظت کے قابل ہو گئے تو میں ضرور ایک کو کعبہ کے پاس ذبح کروں گا لیکن چونکہ پہلے سے تعین نہیں کیا تھا کہ کون سا بچہ ذبح کرے گا اس لیے ہبل کے پاس جا کر استقسام کیا تو تیر سیدنا محمد ﷺ کے والد محترم عبد اللہ کے نام نکل گیا۔ جب عبد المطلب نے ذبح کا ارادہ کیا تو قریش نے یہ کہتے ہوئے اسے منع کیا کہ اگر تو نے عبد اللہ کو ذبح کر دیا تو لوگوں میں یہ عادت پھیل جائے گی اور وہ اپنے بچوں کو ذبح کرنا شروع کر دیں گے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ حجاز میں تابع نامی عرافہ (وہ عورت جو ستاروں کے طلوع و غروب کی مدد سے مستقبل کے بارے میں بتاتی ہے [27]) سے مشورہ لے لو پھر تم جو چاہو کرو۔ عرافہ نے فدیہ ادا کرنے کا مشورہ دیا اور انہوں نے عبد اللہ کی طرف سے سو اونٹ ذبح کر دیے [28]۔

معنوی نذریں: عرب کی نذریں صرف مادی چیزوں تک محدود نہیں تھیں بلکہ وہ معنوی چیزوں کی بھی نذر رکھتے تھے مثلاً کوئی شخص نذر رکھتا کہ اگر فلاں خدا نے اس کا مطالبہ پورا کر دیا اور اسے بچہ دیا تو وہ اس کی خدمت کرے گا یا بچے کا نام اس کے نام پر رکھ کر اسے اسی خدا کا بندہ پکارا جائے گا۔ عرب کے اکثر نام جن کی ابتداء لفظ "عبد" سے ہوتی ہے اسی قبیل سے ہیں۔ اسی خدا کے نام رکھنے سے پسِ پردہ ایک مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ وہی خدا اس بچے کی حفاظت کرے گا جس کے نام سے بچے کو پکارا جاتا ہے۔

عبد مناف اور عبد مناۃ کے نام اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے، چنانچہ علامہ سہیلیؒ عبد مناف کی وجہ تسمیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عبد مناف کو "قمر البطحاء" وادیء بطحاء (یعنی مکہ) کا چاند کے لقب سے نوازا گیا تھا۔ اس کی ماں "حُبّی" نے اسے ایک بہت بڑے بت مناۃ کی خدمت کے لیے وقف کیا تھا جس کی وجہ سے اسے عبد مناۃ پکارا جانے لگا، لیکن جب قصی نے دیکھا کہ یہ عبد مناۃ بن کنانہ کا ہم نام ہے تو اسے عبد مناف پکارا [29]۔

اچھی اور مرغوب چیزوں سے پرہیز، معلوم یا غیر معلوم وقت تک لوگوں سے تنہائی اختیار کرنا اور راہبوں اور پنڈتوں کی طرح ایک طرف ہونا بھی نذر کے اس باب میں شامل تھا۔اہلِ جاہلیت کے ہاں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جیسا کہ امرؤالقیس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جب اسے اپنے والد کے قتل کی خبر پہنچی تو کہا: الخمر علي والنساء حرام حتى أقتل من بني أسد مائة وأجز نواصي مائة[30] "یعنی کہ جب تک میں بنو اسد سے سو آدمیوں کو قتل نہ کروں اور سو کی گردن نہ کاٹ دوں تو مجھ پر شراب اور عورتیں حرام ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے اس کا مقصد یہی تھا کہ جن خداؤں کے لیے میں یہ سب کچھ چھوڑ رہا ہوں وہی اس معاملہ میں میری مدد کریں گے۔

حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرنا بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ [31] "پوچھو تو کہ جو زینت و آرائش اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں ان کو حرام کس نے کیا ہے؟[32]"

اس آیت کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے اپنے اوپر حلال چیزیں حرام ٹھہرائی تھیں مثلاً کپڑے وغیرہ۔ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے بکری کا گوشت، دودھ اور گھی اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، یہ آیت ان ہی لوگوں کے بارے میں ہے۔ عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں ان اہلِ جاہلیت کی مذمت کی گئی ہے جو اپنے دیوتاؤں اور فرضی خداؤں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کو اپنے اوپر حرام تصور کرتے تھے[33]۔

مویشی کی قربانی: اہلِ جاہلیت کے ہاں باطل خداؤں کے لیے پیش کیے جانے والے نذرانوں میں سب سے اہم اور زیادہ پائی جانے والی نذر مویشی کی قربانی تھی۔ مویشی بطورِ نذر بھی پیش کیے جاتے تھے اور کچھ خاص مواقع پر خداؤں کے لیے زندہ بھی مخصوص کیے جاتے تھے۔ان مخصوص مواقع کے لیے ان کے ہاں کچھ اصطلاحات مقرر تھیں۔ذیل میں خداؤں کے لیے پیش کیے جانے والے مذبوحہ اور زندہ مویشی پر روشنی ڈالی جاتی ہے:

مذبوحہ مویشی: مذبوحہ مویشی میں مندرجہ ذیل اہمیت کے حامل تھے:

عقیقہ: عقیقہ دورِ جاہلیت کا کلمہ ہے جو جاہلی اشعار میں استعمال ہوا ہے لیکن اسلام نے بھی اس کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔اہلِ جاہلیت کے ہاں جس طرح موت خون سے جڑی ہوئی تھی اسی طرح زندگی کی ابتداء بھی خون سے جدا نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ بچے کے پیدا ہونے پر اپنے خداؤں کے شکریہ اور بچے کی حفاظت کی خاطر بکری کی قربانی کرتے تھے۔ چونکہ بچہ والدین کے لیے دنیا کا سب سے قیمتی سرمایہ ہوتا ہے اس لیے اسلام نے بھی اس طریقہ کو جاری

رکھا لیکن اس کا رابطہ جھوٹے خداؤں سے توڑ کر حقیقی منعم کے ساتھ جوڑ دیا۔ اس قربانی کو عقیقہ کے نام سے جانا جاتا رہا ہے[34]۔ علماءِ لغت کے ہاں عقیقہ سے مراد وہ بال ہیں جو ماں کے پیٹ میں بچے کے سر پر ہوتے ہیں۔ جانوروں کے ان بالوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے[35]۔ چونکہ ذبح کے وقت بچے کے یہ بال کاٹے جاتے ہیں اس لیے بچے کی پیدائش پر ذبح کی ہوئی بکری کو بھی عقیقہ کہا جاتا ہے[36]۔ اہلِ جاہلیت ایک دوسرے کو عقیقہ نہ کرنے پر شرم دلاتے تھے کیونکہ اس کا چھوڑنا ان کے نزدیک ایک کامل آدمی کے لیے عیب سمجھا جاتا تھا جیسا کہ امرؤالقیس ایک شعر میں کہتا ہے:

أيا هند لا تنكحي بوهة   عليه عقيقته، أحسبا [37]

"اے ہند! بوھہ سے شادی مت کرنا کیونکہ مجھے علم ہے کہ اس پر عقیقہ باقی ہے"

عقیقہ عام طور پر بچے کی پیدائش کے ساتویں دن کو کیا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ ساتویں دن کو کیا تھا[38]۔ فقہائے احناف اور مالکیہ کی رائے بھی یہی ہے کہ عقیقہ ساتویں دن سے پہلے نہیں کیا جائے گا[39]۔

عتیرۃ: عتیرہ کے لغوی معنی ذبح کرنے کے آتے ہیں۔ اصطلاحا اس سے مراد وہ پہلا پیدا ہونے والا بچہ تھا جسے اہلِ جاہلیت اپنے خداؤں کے نام پر ذبح کرتے تھے، ابن رافع کی رائے یہی ہے[40]، لیکن اس کا زیادہ تر اطلاق اس ذبیحہ پر ہوتا تھا جو ماہِ رجب کے آنے پر بتوں کے تقرب کے لیے ذبح کیا جاتا تھا اور اس کا خون ان پر ملا جاتا تھا۔ امام ازہریؒ فرماتے ہیں کہ عتیرہ رجب میں ہوتا تھا جس کا پس منظر یہ تھا کہ جاہلیت میں جب کوئی کسی کام کے کرنے کا طلبگار ہوتا تو نذر مانتا کہ اگر میں کامیاب ہو جاؤں تو ماہِ رجب میں اتنی بکریاں ذبح کروں گا لیکن جب وہ کامیاب ہو جاتا تو بکریوں کے ذبح کرنے سے اس کا دل تنگ ہو جاتا اور بکریوں کے بجائے مخصوص تعداد میں خرگوش ذبح کرتا اور اسے ذبائح سمجھتا[41]۔ عتیرہ کو رجبیہ کے نام سے بھی جانا جاتا تھا[42]۔ اسلام کے ابتدائی دنوں میں بھی یہ قربانی کی جاتی تھی لیکن بعد میں منسوخ ہو گئی۔ جمہور احناف، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے یہی ہے[43]۔ امام ابوداؤدؒ کی رائے بھی یہی ہے[44]۔

امام طبریؒ لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے عتیرہ ذبح کرنے اور عرب کے لیے اسے رواج بنانے والا شخص ابن شوحا تھا[45]۔

حج کے موقع پر ذبح کیے جانے والے مویشی: قریش حج کے موقع پر اپنے بتوں کے لیے ذبح کرتے تھے جیسا کہ عزیٰ کے بارے میں منقول ہے کہ قریش اس کی زیارت کرتے، اس کے لیے ہدیے پیش کرتے اور اس کے نزدیک ذبح کر کے اس کی قربت حاصل کرتے تھے۔ عزیٰ کے قریب ذبح خانہ بھی تھا جسے غبغب کہا جاتا تھا[46]۔ امام ابو منذرؒ فرماتے ہیں کہ غبغب میں قریش عزیٰ کے لیے ہدیہ کیے ہوئے جانور ذبح کرتے تھے، پھر اس کا گوشت عزیٰ کے پاس

آنے والے اور اس کے قریب رہنے والے لوگوں میں تقسیم کرتے تھے [47]۔

غبغب کے علاوہ ان پتھروں پر بھی اہلِ جاہلیت کا ذبح ثابت ہے جنہیں وہ اپنا خدا مانتے تھے، چنانچہ امام مجاہدؒ سے {وما ذبح علي النُّصُبِ} کے بارے میں منقول ہے کہ یہ ایک خاص قسم کا پتھر تھا جس پر اہلِ جاہلیت قربانی کرتے تھے اور جب اس سے اچھا پتھر دیکھتے تو اسے پھینک کر اس اچھے پتھر کو رکھ دیتے تھے [48]۔ امام ابن زیدؒ فرماتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت ان پتھروں کو سفر میں اپنے ساتھ لے کر جاتے تھے لیکن جب اچھا پتھر دیکھتے تو اسے پھینک کر اچھا پتھر اٹھا لیتے تھے [49]۔

خداؤں کے لیے پیش کیے جانے والے زندہ مویشی:

اہلِ جاہلیت مخصوص قسم کے زندہ مویشی اپنے باطل خداؤں کے لیے مختص کرتے تھے جن پر سواری کرنا اور کسی قسم کا فائدہ لینا حرام سمجھا جاتا تھا۔ ان میں اہم مندرجہ ذیل ہیں:

بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام: ان جانوروں کے بارے میں مختلف تفسیریں منقول ہیں۔ سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بحیرہ وہ مویشی ہے جس کا دودھ نہیں دوہتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بتوں کے نام ہے۔ کوئی یہ دودھ نہیں پیتا تھا۔ سائبہ وہ جانور ہے جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا اس پر نہ سامان لادا جاتا، نہ سواری کی جاتی۔ وصیلہ وہ اونٹنی ہے جس سے پہلی دفعہ ایک نر پیدا ہو پھر متواتر دو مادہ پیدا ہوں۔ ایسی اونٹنی کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے اور حام وہ نر اونٹ ہے جس کی نسل سے کئی بچے ہو چکے ہوں اور جب نسل بہت بڑھ چکی ہو تو اس سے نہ بار برداری کا کام لیا جاتا نہ سواری کا بلکہ بتوں کے حوالے کر دیتے [50]۔

سیدنا علی بن ابی طلحہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اونٹنی جب پانچ دفعہ بچہ جنتی تو اہلِ جاہلیت پانچویں بچے کو دیکھتے اگر وہ نر ہوتا تو اسے ذبح کرتے اور صرف مرد اس سے کھاتے اور عورتیں نہیں کھاتیں اور اگر مادہ ہوتا تو اس کے کان کاٹتے اور کہتے کہ یہ بحیرہ ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ سائبہ اس بکرے کو کہتے ہیں جس پر بحیرہ کی تعریف صادق آئے لیکن چھ مادہ ہو جانے کے بعد ساتویں حمل میں ایک یا دو نر ہوتے تو ان کو ذبح کر دیتے تھے اور انھیں صرف مرد ہی کھا سکتے تھے، عورتوں پر ان کا گوشت حرام ہوتا تھا۔

محمد بن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ سائبہ وہ اونٹنی ہے کہ جب مسلسل دس مادہ جن چکی تو یہ بت کے نام پر چھوڑ دی جاتی اس سے سواری نہیں لی جاتی۔ اس کے بال نہیں کاٹے جاتے، نہ اس کا دودھ دوہا جاتا مگر مہمان آجائے تو اس کو اس اونٹنی کا دودھ پلایا جا سکتا تھا۔

ابو روقؒ کہتے ہیں کہ سائبہ اس اونٹنی اور بکری وغیرہ کو کہتے تھے کہ جب آدمی کسی کام سے نکلے اور وہ کام پورا ہو گیا تو اب اس جانور کو سائبہ بنا دیا جاتا اور بت کے نام پر چڑھا دیا جاتا۔ اس کی اولاد بھی بتوں کے نام پر سمجھی جاتی۔

سدیؒ کہتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت مرض سے تندرستی کے وقت اپنے مویشی بتوں کے نام چڑھا دیتے تھے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ وصیلہ وہ بکری ہے کہ جب سات حمل دے دے اور ساتواں اگر نر ہوا اور مردہ پیدا ہوا تو اس کو صرف مرد کھاتے تھے عورتیں نہیں کھا سکتی تھیں اور ساتویں بطن میں مادہ ہو تو اس کو زندہ رہنے دیا جاتا اور اگر اس بطن میں نر و مادہ دونوں پیدا ہوئے ہوں تو دونوں کو زندہ چھوڑ دیتے اور کہتے کہ ساتھ والی مادہ نے نر کو بھی وصیلہ بنا دیا اور وہ بھی ہم پر حرام ہے۔ سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ وصیلہ وہ اونٹنی ہے کہ پہلی دفعہ اور دوسری دفعہ مادہ ہی جنے تو کہتے کہ متصل دو مادہ پیدا ہوئیں چنانچہ دوسری کے کان کاٹ دیتے اور وہ بتوں کے نام پر سمجھی جاتی۔

محمد بن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ وصیلہ وہ بکری ہے کہ پانچ حمل میں دس مادہ بچے جنے ہر بطن میں دو دو۔ پھر اسے چھوڑ دیا جاتا تھا، اس کے بعد اگر اسے کوئی بچہ ہوتا، خواہ نر یا مادہ، تو اسے صرف مرد کھاتے تھے، عورتیں نہیں کھاتی تھیں، اور اگر اسے مردہ بچہ پیدا ہوتا تو پھر دونوں کھاتے تھے اور کسی نر کے دس بچے ہو چکے ہوں تو اس کو بھی بت کے نام پر قرار دیتے اور چھوڑ دیتے، اس کو حام کہتے۔ اس پر بار برداری نہ کرتے نہ اس کے بال کاٹتے، کسی کے بھی کھیت اور کسی کے بھی چشمے سے اس جانور کو پانی پینے کی اجازت ہوتی اور کوئی اسے نہ روکتا[51]۔

بتوں اور باطل خداؤں کے نام پر چھوڑے جانے والے ان تمام جانوروں کے نظریہ کی اللہ تعالیٰ نے تردید کی ہے:

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلا سَائِبَةٍ وَلا وَصِيلَةٍ وَلا حَامٍ وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَأَكْثَرُهُمْ لا يَعْقِلُونَ[52] "

اللہ تعالیٰ نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام مقرر نہیں کیا لیکن یہ اللہ تعالیٰ پر کافروں کا باندھا ہوا بہتان ہے اور ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے[53]۔" عرب میں ان سب جانوروں کو رواج دینے والا عمرو بن لحی بن قمعہ تھا چنانچہ سعید بن المسیبؒ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دوزخ میں پیٹ کے بل گھسٹتے ہوئے دیکھا ہے۔ اسی نے سب سے پہلے جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑنے کا طریقہ رائج کیا[54]۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اکثم بن جون سے کہتے ہوئے سنا: اے اکثم! میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ کو دوزخ میں پیٹ کے بل گھسٹتے ہوئے دیکھا۔ میں نے کوئی آدمی نہیں دیکھا ہے جو کسی دوسرے کے ساتھ اتنی مشابہت رکھتا ہو جتنی کہ تمہاری مشابہت اس سے ہے۔ اکثم نے کہا: یارسول اللہ! کیا آپ کو ڈر ہے کہ اس کی مشابہت مجھے نقصان دے گی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں تو مؤمن ہے

جب کہ وہ کافر تھا۔ وہ پہلا آدمی تھا جس نے دین اسماعیل میں تبدیلی پیدا کی اور بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو رواج دیا[55]۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جہنم کو دیکھا کہ ایک آگ دوسری آگ کو کھائے جا رہی ہے عمرو اس میں گھسٹتا ہوا چل رہا ہے۔ اسی نے سب سے پہلے سائبہ کی رسم ڈالی[56]۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ دینِ ابراہیمی میں تغیر ڈالنا یہ عمرو بن لحہ کا کام ہے جو بنی کعب کے قبیلہ سے تھا۔ وہ دوزخ میں ہے اس کی بدبو دوسرے اہل النار کو سخت تکلیف پہنچاتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بحیرہ کی بدعت کا یہی موجد ہے۔ لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! وہ کون ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قبیلہ بنی مدلج کا ایک آدمی تھا، اس کی دو اونٹنیاں تھیں اس نے ان دونوں کے کان کاٹ دیے اور ان کا دودھ پینا اپنے اوپر حرام کر لیا، پھر چند روز کے بعد پینا شروع کر دیا۔ وہ دوزخ میں ہے یہ اونٹنیاں اس کو اپنے منہ سے کاٹ رہی ہیں اور پاؤں سے روندرہی ہیں[57]۔

خلاصہ:

خلاصہ یہ ہوا کہ خداؤں کے لیے پیش کیے جانے والے نذرانوں اور قربانیوں میں اہلِ جاہلیت غیر معمولی فراخ دلی کے حامل تھے۔ وہ اپنے خداؤں کے لیے واجب، مندوب، مادی اور معنوی ہر قسم کے نذرانے پیش کرتے تھے۔ مادی نذریں مال، کپڑے، تلوار، زرعی پیداوار حتی کہ اولاد کو وقف کرنے پر مشتمل تھیں جب کہ معنوی نذروں میں بچے کو مخصوص بت کا عبد یعنی بندہ پکارنا، مرغوب اور حلال چیزوں جیسا کہ کپڑے، گھی اور دودھ وغیرہ سے پرہیز کرنا اور پنڈتوں اور راہبوں کی طرح یک طرف ہونا شامل تھا۔ اس کے علاوہ کچھ نذریں قربانیوں کی شکل میں تھیں اور ان میں مذبوحہ اور زندہ دونوں قسم کے مویشی شامل تھے۔ مذبوحہ مویشی میں عقیقہ، عتیرہ اور حج کے موقع پر ذبح کیے جانے والے مویشی خاص اہمیت کے حامل تھے، جب کہ زندہ مویشی میں بحیرہ، وصیلہ، سائبہ اور حام کافی مشہور اصطلاحات تھیں۔ شریعتِ اسلامی نے ان میں بعض چیزیں مکمل طور پر ممنوع کر دیں جیسا کہ بحیرہ، وصیلہ، سائبہ اور حام، جب کہ بعض میں جزوی ترمیم کر کے ان کا رشتہ باطل خداؤں سے توڑ کر حقیقی اللہ کے ساتھ جوڑ دیا جیسا کہ عقیقہ ہو گیا۔

مراجع و حواشی

[1] فیروزآبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط ۱: ۶۱۹، دار الکتب العربیہ، بیروت

[2] تاج العروس ۱۴: ۱۹۸

[3] مرتضی زبیدی، محمد بن محمد، تاج العروس من جواہر القاموس ۴: ۱۲۴۳، دار الہدایہ

[4] اصفہانی، راغب، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن ۱: ۷۹۳، دار العلم دمشق بیروت، ۱۴۱۲ھ

[5] القرآن الکریم، سورۃ الاحزاب ۳۳: ۲۳

[6] جالندھری، مولانا فتح محمد، اردو ترجمہ قرآن: ۷۱۷، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء

[7] جرجانی، علی بن محمد بن علی، التعریفات ۱: ۳۰۸، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۵ھ

[8] Roland De Vaux, Ancient Israel, London, 1961, P.418, 421, 425, 429

[9] Encyclopedia Britannica, Volume: 25, P: 200

[10] طبری، ابو جعفر، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن ۱۸: ۲۹۹، دار ہجر

[11] قِتبان قدیم عرب کا ایک قبیلہ تھا جس کا ذکر کتابوں میں بہت کم ملتا ہے۔ یاقوت حمویؒ فرماتے ہیں کہ قتبان قِتبٌ کی جمع ہے جو کہ عدن کے مضافات کے ایک علاقے کا نام ہے۔[حموی، یاقوت، معجم البلدان ۴: ۳۱۰، دار الفکر بیروت]
علامہ زبیدیؒ نے قتبان کے بارے میں ایک رائے یہ نقل کی ہے کہ قتبان قبیلہ رُعَین کا بطن تھا (عرب کے نزدیک قبیلہ سے کم افراد کے لوگوں کو بطن کہا جاتا ہے)، جب کہ دوسری رائے یہ نقل کی ہے کہ قتبان قبیلہ حمیر کے ردمان بن وائل بن الغوث کا بیٹا تھا جس کی اولاد قتبانیین سے مشہور تھی۔[تاج العروس ۳۴: ۲۶۱ و ۳: ۵۱۸]

[12] Nikolaus Rhodokanakis, Kataba. Urkunden 1914 Texte, Ii, S. 41

[13] ابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار، السیرۃ ۱: ۱۰، معہد الدراسات والابحاث للتعریف

[14] ازرقی، ابو الولید، محمد بن عبد اللہ، خبار مکہ وما جاء فیہا من الآثار، ۱: ۸۷، مکتبۃ الثقافہ الدینیہ، سن طباعت ندارد

[15] ابن ہشام، محمد بن ہشام، السیرۃ النبویہ ۱: ۲۱۰، دار الجیل بیروت، ۱۴۱۱ھ

[16] أخبار مکۃ وما جاء فیہا من الآثار ۱: ۹۳

[17] جامع البیان ۹: ۵۸۱

[18] خولان یمن کے ایک ضلع کا نام تھا جو خولان بن عمر بن الحاف بن قضاعہ بن مالک بن عمرو بن مرہ بن زید بن مالک بن حمیر بن سبأ کی طرف منسوب تھا۔ اہلِ یمن جس آگ کی عبادت کرتے تھے وہ اس علاقے میں تھی۔ خولان کو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ۱۳ یا ۱۴ھ میں فتح کیا اور سیدنا یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرر کیا۔[معجم البلدان ۲: ۴۰۷]

[19] معجم البلدان ۴: ۱۵۸

[20] معجم البلدان ۵: ۴

[21] تاج العروس ۱۴: ۱۹۹

[22] القرآن الکریم، سورۃ آل عمران ۳: ۳۵

[23] اردو ترجمہ قرآن فتح محمد جالندھری: ۸۶

[24] السیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ۳: ۵۱۷، دار ہجر مصر، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء

[25] تاج العروس ۱۹: ۳۰۱

[26] Klaus K. Klostermaier, A Concise Encyclopedia of Hinduism, P:157, Oneworld Oxford 2003

[27] کویت، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۴: ۸۲، دار السلاسل کویت، ۱۴۰۴ھ / ۱۴۲۷ھ

[28] السیرۃ النبویہ ۱: ۲۸۹

[29] سہیلی، عبدالرحمن بن عبداللہ بن احمد، الروض الانف فی شرح غریب السیر ۱: ۲۰۶

[30] اصفہانی، ابوالفرج، الاغانی ۹: ۱۰۵، دار الفکر، بیروت

[31] القرآن الکریم، سورۃ الاعراف ۷: ۳۲

[32] مولانا فتح محمد، اردو ترجمہ قرآن: ۲۵۱

[33] الدر المنثور ۶: ۳۷۵

[34] تاج العروس ۲۶: ۱۶۹

[35] ایضا ۲۶: ۱۶۹

[36] ایضا ۲۶: ۱۷۰

[37] الکندی، امرؤ القیس بن حجر، دیوان امرؤ القیس، بحوالہ تاج العروس ۲۶: ۱۶۹

[38] عسقلانی، ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری ۹: ۵۸۹، دار المعرفہ بیروت، ۱۳۷۹

[39] الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۳۰: ۲۷۸

[40] صحیح مسلم، کتاب الاضاحی [۳۶]، باب الفرع والعتیرۃ [۶]، حدیث ۵۲۳۱، دار الجیل، بیروت

[41] افریقی، ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب ۴: ۵۳۶، دار صادر، بیروت

[42] ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب الضحایا [۱۶]، باب: ماجاء فی ایجاب الاضاحی [۱]، حدیث ۲۷۹۰، دار الکتاب العربی، بیروت

[43] الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۲۹: ۲۷۸

[44] سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا [۱۶]، باب: ماجاء فی ایجاب الاضاحی [۱]، حدیث ۲۷۹۰

[45] طبری، ابو جعفر، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک ۱: ۵۱۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ

[46] معجم البلدان ۴: ۱۱۶

[47] ایضا ۴: ۱۸۵

[48] جامع البیان ۸: ۷۰

[49] ایضا ۲۸۷: ۲۳

[50] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح، کتاب المناقب [۶۱]، باب قصۃ خزاعۃ [۹]، حدیث ۳۵۲۱، دار المعرفہ بیروت لبنان، ۱۴۳۱ھ / ۲۰۱۰ء

[51] ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم ۳: ۲۱۰، دار طیبہ للنشر والتوزیع، ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء

[52] القرآن الکریم، سورۃ المائدہ ۵: ۱۰۳

[53] القرآن الکریم، سورۃ المائدہ ۵: ۱۰۳

[54] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح، کتاب المناقب [۶۱]، باب قصۃ خزاعۃ [۹]، حدیث ۳۵۲۱

[55] بزار، ابو بکر، احمد بن عمرو، المسند ۱۵: ۳۸۴ واللفظ لہ، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینہ المنورہ، ۱۹۸۸ء / ۲۰۰۹ء، جامع البیان ۹: ۲۷

[56] بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح، کتاب التفسیر [۶۵]، باب ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام [۱۳]، حدیث ۴۶۲۶

[57] ابن ابی شیبہ، ابو بکر، المصنف ۱۴: ۹۲، حدیث ۳۶۹۸۰، دار السلفیہ ہند